چند مقدماتی باتیں

اِس کتاب کی گہرائی میں اترنے سے قبل چند باتیں محترم قارئین کے توجہ مبذول کرانے کے لئے پیش خدمت ہیں۔

☆ قرآن اللہ کی کتاب ہے جو انسانوں کی رہنمائی کے لئے اُس نے اتاری ہے۔ ایک واضح اور آسان کتاب؛ جو اپنے مخاطب کے فہم کے درجے تک نیچے لائی گئی ہے۔ اِسکا اولین مخاطب وہ پیغمبر ﷺ تھا جو لکھنے پڑھنے سے نابلد تھا اور ایک ایسی قوم میں مبعوث کیا گیا تھا جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی۔ یہی اُمی قوم اِس قرآن کی تہہ تک اتر گئی، اِس پر ایمان لے آئی اور اِسے اپنا رہنما بنالیا۔ اُنہوں نے اپنے باپ دادا سے میراث میں ملے ہوئے دین، مذہب، رسم ورواج، افکار و اخلاق، انفرادی اور اجتماعی طور طریقے اور تمام پرانے رسوم وروایات کو چھوڑ کر اپنے آپ کو اِس قرآن کے قالب میں ڈھال دیا اور اِس سے متعارض ہر چیز کو پرے پھینک دیا۔ قرآن کو نہ صرف اپنے گھر، بستیوں اور معاشرے پر حاکم بنایا بلکہ اِس پر کمربستہ ہوگئے کہ قرآن کا پرچم مشرق سے مغرب تک دنیا کے کونے کونے میں لہرادیں۔ اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کے مقابل آئیں، انسان کو انسان کی بندگی سے نکال دیں، غلاموں اور مظلوموں کو آزادی کی نعمت سے سرفراز کریں، ہر مظلوم کے شانہ بہ شانہ کھڑے ہو کر ہر ظالم کا مقابلہ کریں اور یوں ظلم کی بساط لپیٹ کر تمام دنیا میں عدل و انصاف کا قیام عمل میں لائیں۔ یہ ایک ایسے عظیم کام کا بیڑا اٹھانا تھا جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اور وہ بھی مہاجرین کے ایک ایسے قلیل گروہ کے ہاتھوں جو اپنے گھروں اور گاؤں سے نکالا گیا تھا اور مدینہ جیسی ایک چھوٹی سی بستی کے کچھ لوگوں نے اُسے پناہ دے رکھی تھی۔ کسی کو یہ توقع نہیں تھی کہ یہ قلیل گروہ اپنے طاقتور مخالفین کے سامنے زیادہ عرصہ ٹھہر سکے گا۔ دیکھنے اور سننے والے ایک طرف تو اُن کی قابل رحم حالت دیکھ کر اُن پر ترس کھاتے تھے اور دوسری طرف اُن کا یہ دعویٰ کہ اللہ تعالیٰ اِس دین کو تمام اَدیان پر غالب کر کے رہے گا، سن کر حیران رہ جاتے تھے۔ کبھی کبھی تو وہ پوچھ بیٹھتے تھے کہ کیا روم اور فارس پر بھی؟ تو وہ کسی توقف کے بغیر فوراً جواب دے دیتے تھے کہ ہاں! اللہ کی قسم روم اور فارس پر بھی۔ بیشتر اِسے جنون اور دیوانوں کی باتیں یا پھر غم کی شدت کم کرنے کے لئے تسلی کے رنگین خواب سمجھ لیتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے یہ تمام رنگین خواب اور سبز باغ سچے کر دکھائے۔ اِس تحریک کو برپا ہوئے ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اور اِس کے ہراول دستے میں سے بہت سارے افراد ابھی زندہ تھے کہ نہ صرف حجاز کی وسیع سرزمین اِس کے ہاتھوں فتح ہوئی بلکہ روم اور فارس کے مغرور حکمرانوں کے محل بھی اِس کے تصرف میں آگئے اور اُنہوں نے اپنی آنکھوں سے قیصر و کسریٰ کے محلات پر اسلام کا پرچم لہراتا ہوا دیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو توفیق بخشی کہ مشرق سے مغرب تک دنیا کے کونے کونے میں قرآن کا پرچم بلند کر دیں۔ اُن کی اِن حیران کن کامیابیوں کا عامل کیا تھا؟ اُن کے پاس وہ کیا چیز تھی جو دوسروں کے پاس نہیں تھی اور جو اُن کی کامیابی اور دوسروں کی ناکامی کا سبب بنی؟ اِس سوال کا اِس کے علاوہ اور کوئی جواب تلاش ہی نہیں کیا جا سکتا کہ اُن کے پاس قرآن جیسی ایک کتاب تھی جو دوسروں کے پاس نہیں تھی۔ وہی عظیم قرآن اُن کی کامیابی، عزت، بالادستی اور تمام دشمنوں پر غلبے کا بنیادی اور اصلی عامل تھا۔ اُسی قرآن نے اُس جاہل اور ناسمجھ قوم کو ایک ایسی بالادست اور فاتح اُمت بنا دیا کہ نہ صرف تمام دنیا کی قیادت اور فکری اور اخلاقی لحاظ سے لوگوں کی امارت اور سرداری اُس کے ہاتھ میں آگئی بلکہ سیاسی اور انتظامی لحاظ سے بھی وہ دنیا کے ایک وسیع و عریض حصے پر قابض ہوگئی۔ یوں مدینہ کا وہ چھوٹا سا گاؤں ایک ایسی سلطنت کے دارالخلافہ میں بدل گیا جو ہند سے مراکش تک اور ہسپانیہ سے یمن تک پھیلی ہوئی تھی۔ اُس کی وسعت کا اندازہ اِس طرح کریں کہ کَل کی روم اور فارس کی دو عظیم سلطنتیں اُس کے دو صوبے بن گئے۔ یہ وہی قوم تھی جو قرآن پر ایمان لانے سے قبل بتوں کی عبادت کرتی تھی، اپنی بیٹیاں زندہ دفن کرتی تھی، اپنی

اندرونی خونریز لڑائیوں میں غرق تھی، روم اور فارس کو جزیئے ادا کرتی تھی اور رومی اور ایرانی اُن کے بازاروں سے غلام خرید کر لے جاتے تھے۔ اُن کے ایک غلام کی قیمت ایک آدمی کی ایک ہفتے کی خوراک سے بھی کم تھی یعنی ایک صحت مند غلام کی قیمت ایک مریل گھوڑے سے بھی کم۔

☆ سب جانتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام کے پاس نہ فوج تھی، نہ وسائل، نہ مال و دولت، نہ قومی اور اجتماعی اثر و نفوذ بلکہ صرف اور صرف قرآن تھا۔ اُس مبارک ہستی نے تو دوست دشمن، مخالف اور موافق، عرب اور عجم، امی اور پڑھے لکھے، مشرک اور اہلِ کتاب سب کو صرف اور صرف قرآن پیش کیا ہے۔ آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کرام کی دعوت بھی قرآن کی طرف تھی، بحث و مباحثے کا موضوع بھی قرآن تھا اور فیصلوں اور احکام کا مرجع بھی قرآن ہی تھا۔ وہ مبارک ہستی تو اپنے اصحاب کو احادیث لکھ رکھنے سے بھی منع کرتی رہی، اس لئے نہیں کہ دوسری چیزیں قرآن کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائیں بلکہ اِس لئے کہ قرآن کی طرف توجہ اور اہتمام کم نہ ہو جائے۔ آپؐ کی احادیث آپؐ کی رحلت کے قریباً دو سو سال بعد جمع کر کے لکھی گئیں۔ سلمان فارسیؓ، صہیب رومیؓ اور بلال حبشیؓ کو بھی آپؐ نے قرآن ہی پیش کیا ہے یہ کبھی نہیں کہا کہ پہلے عربی اور صرف و نحو میں مہارت حاصل کریں پھر ریاضی، فلسفہ، منطق اور حکمت میں طاق ہوں پھر آئیں کہ تمہیں قرآن پڑھایا جائے۔ اِس کے برعکس آپؐ کا پہلا درس اور پہلی دعوت ہی قرآن تھا۔

☆ صحابہ کرامؓ قرآن پر اکتفا کرتے تھے، اِسے اپنے لئے کافی سمجھتے تھے اور اِسی میں تدبُّر کرتے تھے۔ اِس کے ہر حکم اور بیان پر ایمان رکھتے تھے اور اُن پر عمل کرتے تھے۔ قرآن کے حرف حرف کو دل لگا کر سنتے تھے اور سننے کے ساتھ ہی اُن پر عمل کرنے کا مصمم عزم کر لیا کرتے تھے۔ جب اُنہوں نے قرآن کی یہ آیت سن لی (هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله و لو کره المشرکون: اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اُسے تمام ادیان پر غالب کر دے اور اگرچہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار گزرے) تو نہ صرف اِس آیت اور اِس کے مدعا پر ایمان لے آئے، نمازوں میں اِس کی تلاوت شروع کی، ایک دوسرے کو پڑھانے اور درس دینے کے لئے استعمال کیا اور اِس پر مضبوط یقین رکھا کہ اللہ اِس دین کو زمین پر غالب کر کے رہے گا بلکہ اُنہوں نے اِس دین کو غالب کرنا اپنا الٰہی فریضہ قرار دیا۔ اور اِس کے غلبے کے لئے کمربستہ ہو کر ہر اُس طاقت کے مقابلے پر اپنی تلواریں نیام سے نکالیں جو دین کے غلبے کی راہ میں رکاوٹ بنی۔

اِسی طرح جب قرآن کا یہ حکم اُن کے کانوں میں پڑا کہ:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَـٰتِلُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱلْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ ٱلرِّجَالِ وَٱلنِّسَآءِ وَٱلْوِلْدَٰنِ ٱلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا مِنْ هَـٰذِهِ ٱلْقَرْيَةِ ٱلظَّالِمِ أَهْلُهَا وَٱجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَٱجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ۝۷۵ (النساء:۷۵)

اور تم کیوں راہ خدا میں اور اُن کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں (کی حفاظت) کی خاطر نہیں لڑتے جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! اس بستی سے جس کے باشندے ظالم ہیں، ہمیں نکال دے اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی مددگار مقرر فرما اور اپنی طرف سے ہمیں کوئی ساتھ دینے والا عطا فرما۔

تو اِس آیت کے سنتے ہی اُنہوں نے دنیا کے تمام مستضعفین اور مظلوموں کی نجات کو اپنا فریضہ قرار دے کر اُسے ادا کرنے کے لئے کمر کس لی۔ روم و فارس سے لڑے، مدینے سے ہند اور ہسپانیہ تک پیدل اور اونٹوں پر سوار ہو کر پہنچے اور ایک ایک پتھر اور ایک ایک بالشت زمین کو اپنے خون سے رنگین کیا۔ اُن لوگوں میں سے جن کی پرورش پیغمبر علیہ السلام کے ہاتھوں قرآن کے مدرسے میں ہوئی، کم ہی کوئی ہو گا جو اپنے بستر پر اپنی طبعی موت سے ہم کنار ہوا ہو اور میدانِ جنگ سے باہر جان بحق تسلیم ہوا ہو، ورنہ بیشتر نے شہادت کی موت ہی کو گلے لگایا۔

☆ وہی قرآن ہمارے سامنے رکھا ہے۔ مومنوں کے ساتھ اللہ کے وعدے بھی وہی ہیں جو صحابہ کرام کے ساتھ تھے۔ ہماری دینی ذمہ داریاں اور فرائض بھی وہی ہیں جو صحابہ کرام کی تھیں؛ نہ قرآن بدلا ہے، نہ ہی اللہ تعالیٰ کے وعدے اور نہ ہی مومنوں کے فرائض اور واجبات۔ اب بھی وہی کچھ ہو سکتا ہے جو صحابہ کے ہاتھوں انجام پایا بشرطیکہ ہم قرآن کے ساتھ وہی سلوک اختیار کریں جو صحابہ کرام کرتے تھے۔

☆ میں پشتو میں قرآن کے دلکش اور دقیق ترجمے کی کمی شدت سے محسوس کر رہا تھا اور اِس کمی کو پورا کرنے کی مہم سر کرنے کی خواہش بھی شدید تھی مگر یہ ایک مشکل کام محسوس ہو رہا تھا اِس لئے کہ قرآن کا ترجمہ نہایت ہی دقت نظر اور محنت کا تقاضا کرتا ہے۔ جس طرح کسی ایک زبان سے دوسری میں شعر کا ترجمہ نثر کی نسبت زیادہ مشقت طلب اور زیادہ اہتمام کا متقاضی ہوتا ہے اسی طرح قرآن کا ترجمہ اُس سے بھی کہیں زیادہ مشکل اور دقت طلب کام ہے۔ صرف ترجمے سے چاہے وہ کتنا ہی دقیق کیوں نہ ہو، آیات کے تمام مطالب بیان کرنا ممکن بھی نہیں ہوتا اِس لئے مترجم کی مجبوری بن جاتی ہے کہ وہ صرف ترجمے پر اکتفا نہ کرے بلکہ مزید تشریح اور توضیح بھی پیش کرے۔

☆ کاش کہ تفسیرِ قرآن میں ذہن رسا رکھنے والے علماء اور پشتو ادب کے نامور ادیب مل کر قرآن کے ترجمے کے اس بھاری بوجھ کو اٹھانے کے لئے ایک معتبر مشترکہ جرگہ تشکیل دے کر یہ عظیم خدمت انجام دے دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس حوالے سے پشتو ادب نہایت ہی تہی دامن ہے اور پشتو بولنے والے اِس کے انتہائی ضرورت مند اور قابل رحم بھی ہیں۔

☆ قرآن کے ترجمے میں عموماً دو اسلوب ملتے ہیں: تحت اللفظی ترجمہ اور آزاد ترجمہ۔ تحت اللفظی ترجمے کا عیب یہ ہے کہ اُس کے جملے دلکشی اور جالب ادبی ترکیب سے عاری ہوتے ہیں اور پڑھنے والے اُس سے اچھا تاثر نہیں لے سکتے۔ کسی بھی جملے میں کلمات کی ترکیب اور تنظیم انتہائی اہمیت کی حامل ہوتی ہے اور قاری پر شدت سے اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ بے ترتیب اور بد نظمی کے حامل الفاظ بیزاری کو جنم دیتے ہیں اور اکثر اوقات غلط مفہوم کا باعث بھی بن جاتے ہیں نیز پڑھنے والا یہ بھی گمان کرنے لگ جاتا ہے کہ اصل متن جس کا یہ ترجمہ ہے وہ بھی اِسی طرح بکھرے ہوئے غیر مربوط اور نامنظم الفاظ ہوں گے۔ حالانکہ قرآن اپنے ادبی پہلو سے اور کلمات کے دقیق، دلکش، خوبصورت، اور مؤثر و جالب ترکیب کی رو سے بھی اِتنا ارفع اور بلند و بالا ہے کہ کوئی انتہائی بلیغ کلام بھی اُس کی گرد تک نہیں پہنچ سکتا۔

☆ قرآن کی آیات کے ترجمے کے دوران نہ صرف یہ کہ ہر لفظ کے دقیق ترجمے کا اہتمام ضروری ہے بلکہ آیت کی خوبصورت اور دلکش ادبی ترکیب کا بھی خیال رکھا جانا چاہیے اور کوشش ہونی چاہیے کہ اُس کا ترجمہ خود آیات کی مانند اچھی ادبی ترکیب اور خاص وزن کا حامل اور مسجع بھی ہو۔ قرآن کا اچھا ترجمہ وہ ہے جو ہر لفظ کا دقیق ترجمہ بھی پیش کرے اور آیات کی دلکش اور گہری ادبی ترکیب، آہنگ، وزن اور سجع کو بھی منتقل کرے۔

☆ میں نے اپنے طور پر بعض سورتوں کے ترجمے میں کوشش کی ہے کہ آیات کا سجع اور وزن بھی کسی حد تک منتقل ہو جائے اور ترجمہ مسجع ہی رہے اور سورتوں کے تعارف میں اِس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ فواصل کا وزن کیا ہے۔ محترم قارئین کے لئے عرض ہے کہ وزن سے ہماری مراد صوتی وزن ہے نہ کہ صرفی وزن۔ صوتی وزن کے لحاظ سے عاملون، تعملون، یعملون، فاعلون، تفعلون، اور یفعلون تمام ہم وزن صیغے ہیں اِس لئے کہ اِن تمام کے آخر میں (ل و ن) کے حروف آتے ہیں اور اِن کا صوتی تاثر ایک جیسا ہے مگر صرفی اوزان کے لحاظ سے یہ تمام علیٰحدہ علیٰحدہ صیغے ہیں۔

☆ قرآن کا تحت اللفظی ترجمہ اِس لئے بھی صحیح نہیں ہے کہ پشتو کے جملوں کی ترکیب عربی زبان سے کافی مختلف ہے: مثلاً پشتو میں صفت موصوف سے پہلے آتا ہے جبکہ عربی میں بعد میں۔ پشتو میں مفعول لہ فعل سے پہلے آتا ہے مگر عربی میں بعد میں۔ عربی میں مضاف پہلے ہوتا ہے اور مضاف الیہ بعد میں مگر پشتو میں اکثر مضاف الیہ مضاف سے پہلے آتا ہے۔ اِسی طرح عربی میں زمان و مکان کا ذکر بعد میں آتا ہے مگر پشتو میں پہلے آتا

ہے؛ یہ اور اِن کی مانند اور بھی بہت سے فرق اِن دونوں زبانوں میں موجود ہیں۔ عربی سے پشتو میں تحت الفظی ترجمہ نہ تو درست کام ہے اور نہ صحیح؛ ایسے ترجمے کا ہر جملہ غلط ہوتا ہے اور پڑھنے والے کی غلط رہنمائی کرتا ہے۔ مثال کے طور پر پشتو میں (هو السميع العليم) کے درج ذیل ترجمے ہو سکتے ہیں:

۱۔ اور وہ سننے والا اور باخبر ہے۔

۲۔ اور وہ سننے والا باخبر ہے۔

۳۔ اور وہ باخبر سننے والا ہے۔

ان میں سے صرف تیسرا ترجمہ دقیق اور درست ہے پہلے والے دونوں درست نہیں ہیں۔

یا پھر یہ ترجمہ کہ (انزل الكتاب)

۱۔ اُس نے نازل کیا کتاب۔

۲۔ نازل کر دیا کتاب کو۔

۳۔ اِس کتاب کو نازل کیا۔

یہاں بھی پہلے دو ترجمے درست نہیں ہیں۔ درست اور دقیع ترجمہ تیسرا ہی ہے اِس لئے کہ کتاب اور الکتاب کے درمیان فرق کی رعایت ترجمے میں نظر آنی چاہیے۔ کتاب نکرہ ہے اور الکتاب معرفہ، عربی میں نکرہ اور معرفہ لفظ سے ظاہر ہو جاتا ہے جبکہ پشتو اِس صفت سے محروم ہے اور اُس میں نکرہ کو معرفہ سے متمیز کرنے کے لئے وہ یا وہی جیسے الفاظ کا اضافہ کرنا پڑتا ہے۔ یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ مفرد کبھی کبھی جنس کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اُس صورت میں جمع کا معنٰی دیتا ہے؛ صرف قرائن ہی سے پتہ چلتا ہے کہ اِس مخصوص مقام پر اِس سے کیا مراد ہے۔

اس طرح (كتب الله لاغلبن انا و رسلى) کے درج ذیل ترجمے:

۱۔ اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ ضرور بالضرور غالب ہوں گے، میں اور میرے پیغمبر۔

۲۔ اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ ضرور بالضرور میں اور میرے پیغمبر غالب ہوں گے۔

۳۔ اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور بالضرور غالب ہوں گے۔

۴۔ اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں بھی ضرور بالضرور غالب ہوں گا اور میرے پیغمبر بھی۔

یہاں صرف چوتھا ترجمہ آیت کا صحیح مفہوم بیان کر رہا ہے اور ترجمے کی ادبی ترکیب بھی درست ہے۔

یا (كتاب الله المبين) کے یہ ترجمے:

۱۔ کتاب اللہ کی واضح۔

۲۔ واضح کتاب اللہ کی۔

۳۔ اللہ کی واضح کتاب۔

صرف تیسرا ترجمہ درست ہے پہلے دونوں ناقص ہیں۔

یا (ضرب الله مثلاً) کے درج ذیل تراجم:

۱۔ بیان کی اللہ نے مثال۔

۲۔ اللہ نے مثال بیان کی۔

۳۔ اللہ نے ایک مثال بیان کی۔

اگرچہ یہاں پر اچھا اور دقیق ترجمہ تیسرا ہے، پہلے والے دونوں ناقص ہیں اس لئے کہ مثال نکرہ آیا ہے لہٰذا اُس کا ترجمہ "ایک مثال" کیا جانا چاہیئے مگر پشتو میں مثال بیان کرنا کوئی ترکیب نہیں ہے بلکہ "مثال تیرَول" جو اردو میں مثال دُہرانا سے زیادہ قریب ہے، پٹھان مخاطب کے لئے زیادہ قابلِ فہم ہے۔ لہٰذا پشتو میں درجِ بالا ترجمہ "اللہ یو متل تیر کڑ" یعنی اللہ نے ایک مثال دہرا دی، ایک پٹھان مخاطب کو زیادہ آسانی سے سمجھ آئے گا۔ دراصل عربی کا "مثل" پشتو میں "متل" بن جاتا ہے جس کی ث، ت میں بدل جاتی ہے۔

میں نے "د قرآن پلوشے" کے ترجمے میں اپنے بس کی حد تک کوشش کی ہے کہ:

☆ ہر لفظ کا نہایت غور اور دقت کے ساتھ ترجمہ کر دیا جائے۔ ترجمہ میں نہ صرف یہ کہ مفرد، تثنیہ، جمع، مذکر، مونث، ماضی، حال، مستقبل، معرفہ، نکرہ، تاکید اور دوسرے تمام پہلوؤں کی رعایت کی جائے بلکہ اِس سے بھی احتراز کیا جائے کہ کسی چیز کو زائد سمجھ کر حذف کر دیا جائے یا مقدر سمجھ کر بڑھا دیا جائے۔ یوں کسی قسم کی زیادتی اور کمی کے بغیر ہر لفظ کا نہایت امانتداری کے ساتھ ترجمہ کر کے پیش کیا جائے۔

☆ ہر جملے میں جہاں تک ممکن ہو الفاظ کی تعداد آیت کے الفاظ کے تعداد کے برابر رکھی جائے۔

☆ جہاں تک ممکن ہو سکے ترجمہ شدہ لفظ کا مقام و محل بھی وہی رہے جو اصل لفظ کا آیت کے متن کے اندر ہے تاکہ پڑھنے والا ہر لفظ کا ترجمہ آسانی سے تلاش کر سکے مگر صرف اُس صورت میں کہ جملے کی ادبی ترکیب متاثر نہ ہو رہی ہو۔

☆ میری خواہش تھی کہ صرف ترجمہ اور مختصر حواشی پر اکتفا کروں مگر تفاسیر کے مطالعے کے دوران اُن کے مابین اختلاف کے مشاہدے نے مختصر شرح پر قانع نہ ہونے دیا۔

☆ میرے لئے سب سے مشکل کام پشتو میں قرآن کا ترجمہ تھا۔ یہ اِس لئے کہ پشتو میں موجود دو چار تراجم یا تو تحت اللفظی ترجمے ہیں یا پھر اردو سے ترجمہ شدہ ہیں۔ افسوس ہے کہ افغانوں میں کوئی ایسا عالم جو نہ صرف عربی زبان کے صرف و نحو کا ماہر ہو بلکہ پشتو گرامر اور پشتو ادب کا بھی اچھا جاننے والا ہو، اس کام کے لئے آگے نہیں آیا۔ ہمارے مدارس میں پشتو، فارسی لکھنے پڑھنے کا رواج نہیں ہے اور دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلبا پشتو، فارسی لکھنا پڑھنا نہیں جاتے۔ موجودہ تراجم ایسے ہیں کہ اگر کوئی عربی نہیں جانتا اور صرف ترجمہ پڑھتا ہے تو اُسے بے ترتیب اور بکھرے ہوئے الفاظ ملتے ہیں۔ پھر جب اُن میں سے ہر جملے کی ترکیب اُسے پشتو زبان کے قواعد سے متعارض بھی ملتی ہے تو وہ قرآن کے بارے میں ایک عجیب سے تصور اور احساس کا شکار ہو جاتا ہے۔

☆ میں نے آیات کی تشریح اور تفسیر کے لئے اُن تمام معتبر تفاسیر سے استفادہ کیا ہے جن کی فہرست کتاب کے آخر میں دی گئی ہے اور صرف اُن محترم مفسرین کی رائے کو اپنانے کی کوشش کی ہے جنھوں نے:

- قرآن کی تفسیر بالقرآن کی ہے۔ ہر آیت کی وہی تفسیر پیش کی ہے جو قرآن کی دوسری آیات کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے اور اُن مباحث سے گریز کیا ہے جن کے بارے میں اُنہیں قرآن میں صراحتاً یا تلویحاً بھی کوئی ذکر نہیں ملا۔
- آیات کی ترکیب میں ہر قسم کی دخل اندازی اور تغیر سے اجتناب کیا ہے، نہ تو قرآن میں کوئی حرف یا لفظ زائد قرار دے کر نظر انداز کیا ہے اور نہ ہی کسی چیز کو مقدر یا محذوف جان کر اُس کا اضافہ کیا ہے۔ تحقیق کے دوران جہاں تک مجھے اندازہ ہوا ہے میں نے اُن لوگوں کی رائے

کو ضعیف پایا ہے جو آیات کے ترجمے میں تصرف کے قائل ہیں اور اُنہوں نے کسی حرف یا لفظ کو کبھی تو زائد مان کر نظر انداز کیا ہے یا مقدر سمجھ کر بڑھا دیا ہے۔

- اپنے کئے ہوئے ترجمہ و تفسیر کی تائید میں حدیث لانے کا اہتمام کیا ہے۔
- کوئی ایسی ثقہ روایت پیش کی ہے جو قرآن کی کسی آیت کے ساتھ متعارض نہیں ہے۔
- کسی خاص مسلک کے خلاف اندھا تعصب نہیں رکھا۔ جو اپنے مخالفین کو برا بھلا نہیں کہتے، اپنی رائے کے ہر مخالف پر فوراً ہی بدعت، شرک، ارتداد اور الحاد کی مہر نہیں لگاتے اور اپنے مخالفین کو گمراہ طبقوں کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ بحث کے دوران اپنی رائے کی تائید میں ادب و وقار کے ساتھ دلائل پیش کرتے ہیں اور ضعیف رائے کے کمزور پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مجھے جگہ جگہ اُن لوگوں کی رائے میں بھی کمزوریاں نظر آئی ہیں جو آیات کی تفسیر میں صرف اپنے ہی مسلک کا خیال رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہر آیت کی تعبیر اور تفسیر اُن کے مسلک کی تائید کرے۔ اِسی طرح اُن لوگوں کی رائے بھی کمزور لگی ہے جو مناظرے اور اپنے مخالف کو لاجواب کرنے کی کوشش میں تفسیر کر رہے ہوں اور دوسروں کو مسلمان بنانے کے لئے نہیں بلکہ کافر قرار دینے پر کمربستہ ہوں۔ ایسے لوگوں کا ہدف یہ ہوتا ہے کہ اپنے مسلک کے سوا باقی تمام مسالک کو باطل اور غلط ثابت کریں۔ دوسروں کو برا بھلا کہہ کر دراصل یہ لوگ اپنی کمزوریاں چھپاتے ہیں؛ دلیل نہیں رکھتے اس لئے گالیاں دینے پر اُتر آتے ہیں اور اِس طرح لوگوں کو بیوقوف بنا کر اپنا ساتھ دینے پر آمادہ کرتے ہیں۔ جن لوگوں کے ذہنوں میں تعصب کا زہر بھرا ہوتا ہے اور اللہ کی کتاب کو مناظروں اور جنگ وجدل کے لئے پڑھتے ہیں وہ قرآن کو سمجھنے پر قادر نہیں ہوسکتے۔

☆ لوگوں کے جذبات مجروح کرنے سے اور کلام کی بے جا طوالت سے بچنے کے لئے، میں نے نہ تو کبھی اُس مفسر کا نام لیا ہے جس کی رائے کو ترجیح دی ہے اور نہ ہی اُس کا جس کی رائے کو ضعیف قرار دیا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کسی خاص تفسیر یا مفسر کی نسبت تعصب رکھتے ہیں، ایسے لوگ یا تو اپنے محبوب مفسر کی ہر بات کو مقدس سمجھتے ہیں یا پھر اپنے مسلک کے خلاف ہر تفسیر کو آنکھیں بند کر کے رد کر دیتے ہیں۔ وہ نہ تو اپنے مسلک سے مربوط تفسیر کے کسی ضعف کو خاطر میں لاتے ہیں اور نہ ہی دوسرے کے کسی قوی استدلال کو درخورِ اعتناء سمجھتے ہیں۔ چونکہ میری خواہش تھی کہ یہ لوگ بھی ٹھنڈے دل سے میری بات سن لیں اور ناموں کا ذکر ایسے لوگوں کی حساسیت اُبھارنے کا باعث بنتا ہے اِس لئے میں نے اِس سے اجتناب کیا ہے۔

☆ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تفسیر اور ترجمے کے دوران کسی ایک لفظ کے جو بھی معنیٰ لغت کی کتابوں میں دیکھ لیتے ہیں اُن سب کی رُو سے آیت کے متعدد ترجمے اور تفاسیر پیش کر دیتے ہیں؛ بنا اِس تکلف کے کہ کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دے دیں اور یہ کہہ دیں کہ اِس انفرادی مقام پر کونسا مخصوص معنیٰ مراد ہے۔ اِن کا خیال ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ معانی رکھنا کلام کا حسن و کمال ہوتا ہے حالانکہ بلیغ کلام وہ ہے جس کا معنیٰ واضح ہو اور مخاطب اُس سے مشخص، محدد اور واضح مفہوم اخذ کرلے۔ جو اِس شک میں ڈالنے والا نہ ہو کہ نجانے صاحبِ کلام کا ہدف کیا ہے بلکہ اُسے سن کر مخاطب نہایت آسانی اور صراحت کے ساتھ صاحب کلام کے مقصد و منشا کا ادراک کر سکے۔ قرآن تو خود بھی اپنا یہی تعارف کراتا ہے کہ وہ مبین، آسان، شک سے مبراء اور واضح ہے اور اُس کا ایک حصہ دوسرے حصے کی وضاحت کرتا ہے۔ اُس میں کوئی ابہام اور اغماض نہیں ہے، واضح عربی زبان میں بھیجا گیا ہے اور اُس میں ہر چیز کا تفصیلی بیان وارد ہوا ہے۔

☆ اصولاً کسی بھی لفظ کا دقیق معنیٰ اور مفہوم سب سے پہلے اُسی جملے میں تلاش کرنا چاہیے جس میں وہ لفظ آیا ہے، پھر اُس کے مابعد اور ماقبل جملوں میں اور اِس کے بعد تمام مضمون میں۔ اِسی طرح قرآن کے بھی کسی لفظ کا معنیٰ پہلے اُسی آیت میں ڈھونڈنا چاہیے جس میں وہ لفظ آیا ہوا ہے پھر اگلی پچھلی

آیات میں، پھر تمام سورت میں اور پھر سارے قرآن میں۔ اکثر ایک لفظ کے کئی معانی ہوتے ہیں اور کئی چیزوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے مگر جب وہ ایک جملے کے قالب میں ڈھل جاتا ہے تو اس کا معنٰی مشخص اور محدد ہو جاتا ہے اور اُس کے اُن تمام معنوں میں سے صرف ایک مراد ہونے لگ جاتا ہے۔ یہ ایک غلط اسلوب ہے کہ کسی آیت کے ترجمے اور تشریح کے دوران ہر لفظ کے متعدد معانی لے کر آیت کے لیے مختلف معنوں کے احتمال کا راستہ کھول دیا جائے۔ جو لوگ کسی آیت کے متعدد مطالب بیان کرتے ہیں وہ در اصل آیت کے اصلی مفہوم کو بیان کرنے میں متردد ہوتے ہیں اور دشواری محسوس کرتے ہیں۔ وہ الفاظ کے معنٰی کے لئے صرف لغت پر انحصار کئے ہوئے ہوتے ہیں اور اُنہوں نے سیاق وسباق پر کماحقہ غور نہیں کیا ہوتا۔ ہر آیت ایک جامع مضمون کا حصہ ہوتی ہے، اُس مضمون کے قالب میں صرف ایک معنٰی دیتی ہے اور اپنے ماقبل اور مابعد آیات کے ساتھ مل کر ایک واحد مضمون تشکیل دیتی اور ایک مشخص اور مکمل مطلب ادا کر رہی ہوتی ہے۔ اگر کبھی کسی آیت کا مفہوم سمجھنے میں دشواری ہو جائے تو سب سے پہلے اُس مجموعی مضمون میں سے اُس کا معنٰی سمجھنے کی سعی کرنی چاہیے جس کا یہ آیت ایک حصہ ہے پھر اُس سورت میں اور پھر تمام قرآن میں۔ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ مجموعی مضمون کو مدِ نظر رکھے بغیر صرف لغت کی کتابوں کی مدد سے اُس کے معنی تلاش کریں اور متعدد احتمالات پیش کر دیں۔ جو کوئی بھی اِس قاعدے اور اصول کو نظر انداز کرتا ہے وہ خود بھی اصلی مراد تک پہنچنے میں ناکام رہتا ہے اور اپنے مخاطب کو بھی تردد میں ڈالتا ہے۔

☆ ایک بڑی مشکل جس کا ہر محقق تحقیق کے دوران سامنا کرتا ہے بعض مفسرین کی وہ آراء اور نظریات ہیں جو نہ تو قرآن کی آیات پر مبنی ہیں اور نہ ہی پیغمبر علیہ السلام کی صحیح الاسناد احادیث پر؛ تھوڑے سے غور سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آراء دراصل اسرائیلی روایات کے علاوہ اور کوئی منبع اور ماخذ نہیں رکھتیں۔ اسرائیلی روایات میں سے بیشتر کہانیاں اور افسانے ہیں جن سے عوام بہت آسانی کے ساتھ متاثر ہو جاتے ہیں خصوصاً اگر وہ حیران کن بھی ہوں اور خارق العادت واقعات پر مبنی بھی ہوں۔ اُن کو وہ تفاسیر اور مفسر اچھے لگتے ہیں جو ایسی دلکش اور عجیب کہانیاں نقل کرتے ہیں۔ مشکل یہ پیدا ہو گئی ہے کہ یہ کہانیاں اب عوام میں پھیل کر جڑ پکڑ چکی ہیں، وہ اِنہیں دین کا حصہ سمجھتے ہیں اور اب ہر اُس بات کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں جو اِن کہانیوں سے مطابقت نہیں رکھتی، چاہے وہ بات کتنی ہی قرآن کی صریح آیات اور صحیح احادیث کی بنیاد پر کہی گئی ہو۔ کاش یہ محترم مفسرین اِن اشکالات میں نہ پڑ گئے ہوتے اور اِن روایات کو بیان کرنے سے سختی کے ساتھ مجتنب رہے ہوتے۔

☆ ایک اور مشکل یہ ہے کہ بعض مفسرین نے ہر آیت کے لئے ایک شانِ نزول لانا لازم سمجھا ہوا ہے۔ شانِ نزول کی اِن روایات میں گہرا اختلاف اور وسیع تعارض سامنے آتا رہتا ہے اور ہر مسلک اور مذہب کے پیروکار اپنا اپنا سلسلہ شانِ نزول رکھتے ہیں۔ شیعہ حضرات کے نزدیک کم از کم تین سو آیات کا شانِ نزول اِس طرح ہے کہ گویا یہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں مگر شیعہ کے علاوہ دوسرے محققین اِسے ایک بے بنیاد دعویٰ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن میں کوئی ایک بھی آیت ایسی نہیں ہے جس میں صراحتاً یا اشارتاً بھی کوئی بات علی رضی اللہ عنہ کی بابت کہی گئی ہو یا اُس کا شانِ نزول اُن سے متعلق ہو۔ بعض لوگ شانِ نزول اپنے مسلک کی حقانیت کے لئے پیش کرتے ہیں اور بعض دوسرے گمان کرتے ہیں کہ یوں وہ قرآن کو سمجھنے میں مددگار بن رہے ہیں۔ یہ بات کسی حد تک درست بھی ہے مگر اِس کے بارے میں دو باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں:

ا۔ ہر بلیغ کلام کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ سننے والا خود کلام کے الفاظ، مفہوم اور سیاق وسباق سے اُس کے شانِ نزول کو بھی سمجھ جاتا ہے اور اگر اُس کلام کے موقع، مناسبت اور ظروف وشرائط کے بارے میں کوئی ابہام اور اغماض ہے تو وہ بھی باقی نہیں رہ پاتا۔ وہ خوب سمجھ جاتا ہے کہ یہاں کس کا ذکر ہو رہا ہے اور یہ کہ اِس بات کا مقصد کیا رہا ہو گا؛ جبکہ قرآنِ عظیم الشان تو اللہ تعالیٰ کا بلیغ کلام ہے، سننے والے کے لئے کسی ابہام کی مجال باقی نہیں رہنے دیتا۔ تھوڑے ہی غور وخوض سے واضح ہو جاتا ہے کہ اُس کا مقصد کیا ہے اور مخاطب کون ہے۔

۲۔ ایک عام سننے والا شانِ نزول سے یہ انتباہ لیتا ہے کہ شاید مذکورہ آیت اور حکم خاص ہے یعنی اُنہی مخصوص لوگوں کی طرف متوجہ و مخاطب ہے اور باقی لوگ اِس سے مستثنیٰ ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا ہر انتباہ خطرناک نتائج پیدا کر سکتا ہے اور قرآن کے وہ عام اور کلی ارشادات جو قیامت تک، زمانے کے ہر پڑاؤ پر، ہر مخاطب کے لئے رہنمائی اور نشانِ راہ و منزل ہیں؛ زمانۂ نزول تک محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ شانِ نزول کا ذکر اُس وقت درست کام ہے جب اُس کے اسناد ہر قسم کے شک و شبہے سے بالاتر ہوں اور اُس کا ذکر کرنا ضروری اور مفہوم کی بہتر توضیح میں مدد و معاون بھی ہو۔

ایک اور مشکل یہ ہے کہ آیات کی تفسیر میں مفسرین کی مختلف آراء کے علاوہ ایک ہی آیت کے بارے میں متعدد اور متعارض روایات کا سامنا بھی کرنا پڑ جاتا ہے بلکہ کبھی کبھی تو ایک ہی آیت کے بارے میں کسی ایک ہی شخص سے منسوب مختلف آراء بھی سامنے آ جاتی ہیں۔ اگر ایسی کسی صورتحال کا سامنا کرنا پڑ جائے تو جان لیں کہ:

☆ پیغمبر علیہ السلام کی طرف سے اِس بارے میں کوئی ثقہ حدیث موجود نہیں ہے اگر ہوتی تو کبھی بھی اتنی مختلف آراء پیش نہ کی گئی ہوتیں۔

☆ اگر محترم مفسرین کی نظر میں صحابہ کرام سے منسوب روایات ثقہ ہوتیں تو وہ کبھی بھی کوئی دوسری رائے پیش نہ کرتے۔

☆ ایک ہی شخص سے منسوب کسی ایک ہی موضوع کے بارے میں دو متعارض آراء روایت کے اعتبار پر سوالیہ نشان ڈال دیتی ہیں۔

☆ یہ اختلاف نہ صرف اِس کا متقاضی ہے کہ ہم اُن تمام آراء پر غور کر کے سب سے مضبوط اور مستند رائے کا انتخاب کریں بلکہ ہمیں یہ حق بھی دیتا ہے کہ قرآن کی دوسری آیات کی روشنی میں مذکورہ آیات کے اصلی معنی کی تلاش میں لگ جائیں۔

☆ ایسے مواقع پر کسی ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دینے کے لئے اِس بات کی اہمیت ثانوی ہو جاتی ہے کہ روایت کس سے منسوب کی جا رہی ہے بلکہ اہمیت اِس بات کی قرار پا جاتی ہے کہ اِن میں سے کونسی روایت قوی دلائل پر استوار ہے اور قرآن کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے۔

☆ کوئی بھی مسلمان اِس بات میں کوئی شک نہیں رکھتا کہ کسی صحیح حدیث کے اور قرآن کے درمیان تعارض ممکن نہیں۔ اِسی طرح جو کوئی خدا اور پیغمبر علیہ السلام پر ایمان رکھتا ہے وہ آپؐ کے فرمان سے اختلاف نہیں کر سکتا؛ کوئی شخص اگر کسی روایت سے اختلاف کرتا ہے تو اُس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اُس کی ثقاہت کے بارے میں شک میں مبتلا ہوتا ہے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ وہی روایت جسے ایک محدث صحیح قرار دیتا ہے دوسرے کی نظر میں ضعیف ہوتی ہے۔ کتنے ہی مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں محدثین اور فقہا کا آپس میں اختلاف ہوتا ہے اور اُس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ کوئی ایک روایت ایک کے نزدیک صحیح جبکہ دوسرے کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کی تقریباً اٹھارہ ہزار نمازوں کے ہزاروں لوگ مدینہ منورہ میں شاہد رہے ہیں مگر اِس کے باوجود رفع الیدین، آمین بالجہر، بسم اللہ الرحمن الرحیم کی قرأت وغیرہ کئی باتوں میں اختلاف موجود ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کی زندگی میں ہزاروں لوگوں نے حجاب کا طریقہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے مگر آپ دیکھتے ہیں کہ اِس کے بارے میں بھی اختلافات موجود ہیں، فقہا کے درمیان بھی ہیں اور محدثین کے درمیان بھی؛ اُسی سرزمینِ سعودی عرب میں بھی البانی اور مرحوم بن باز کے پیروکاروں کے درمیان اختلاف موجود ہے۔ اگر ایسے واضح اور روزمرہ کے معاملات میں اختلاف (حتیٰ کہ گہرا اختلاف) پایا جاتا ہے تو قرآن کی آیات کی تفسیر کے بارے میں اختلافِ رائے کا کیا حال ہو گا؟ جو لوگ کسی ایک مسلک اور اُس کے ساتھ مربوط تفسیر کے بارے میں تعصب نہیں رکھتے وہ اِس اختلاف کی وسعت کا بہتر اندازہ اُس وقت لگا سکتے ہیں جب وہ ٹھنڈے دل سے مختلف تفاسیر کا مطالعہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ وہ دیکھ لیں گے کہ بسا اوقات ایک ہی آیت کے بارے میں اُسی ایک ہی راوی سے متعدد روایات منسوب کی گئی ہوتی ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ صحیح حدیث اور قرآن کے درمیان تعارض ممکن نہیں ہے تو اِس کا معنیٰ یہ ہے کہ کبھی اگر کوئی روایت ایسی مل جائے جو قرآن کے ساتھ متعارض ہو تو ہمیں کہنا چاہیے کہ یہ کسی صورت پیغمبر علیہ السلام کی حدیث نہیں ہو سکتی۔ اِس کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ نعوذ باللہ ہم کسی

راوی پر جھوٹ بولنے کی تہمت لگاتے ہیں بلکہ اِس کا معنٰی یہ ہے کہ حدیث کے مطلب کو منتقل کرنے میں لازماً کوئی اشتباہ پڑ گیا ہے؛ مثلاً سننے والا درست نہیں سمجھ سکا ہے یا الفاظ منتقل کرنے میں کوئی بُھول رہ گئی ہے۔ ہر مومن اور غیر متعصب محقق کی نظر میں قرآن بشمول روایات، ہر چیز کے لئے بمنزلہ ایک معیار اور کسوٹی ہونا چاہیے۔ اُس کو صرف وہ روایت ماننی چاہیے جو قرآن کے ساتھ متعارض نہ ہو مگر جو روایت قرآن کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی، اُسے نہایت احترام کے ساتھ الگ کرکے رکھ لینا چاہیے؛ نہ تو اُسے نقل کرنا چاہیے اور نہ ہی اُس سے استناد کرنا درست ہے۔ ہمیں چاہیے کہ پیغمبر علیہ السلام کی طرف وہ کچھ منسوب کرنے کے عواقب سے خبردار رہیں جو آپؐ نے نہیں کہا اِس لئے کہ ایسے میں ٹھکانا جہنم کی آگ ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ اِسی خوف سے لکھی ہوئی حدیث چھوڑنے سے محترز رہے اور اِسی خوف سے دوسرے صحابہ کرام بھی احادیث لکھنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ احادیث کی موجودہ کتب تقریباً تین نسلیں گزرنے کے بعد لکھی گئیں اور وہ بھی ایک بہت بڑی مجبوری کی وجہ سے اور وہ یہ کہ لاکھوں موضوع احادیث لوگوں میں پھیل گئیں۔ کاش کوئی ایسا ہو جو ہمت کرکے احادیث اور روایات کے حوالے سے وہ کچھ کر سکے جو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن عظیم الشان کے مختلف نسخوں کے حوالے سے کیا تھا۔ اِس طرح کرنے سے اُمت کے اندر ایک طرف تو اختلاف کی ایک بہت بڑی وجہ ختم ہو جائے گی اور دوسری طرف علیٰحدہ علیٰحدہ مذاہب اور فرقے متحد ہو جائیں گے۔ صرف مسلمان ہی وہ امت نہیں ہیں جو مختلف روایات کی وجہ سے اختلافات کا شکار ہوئے بلکہ اِن سے پہلے گزری ہوئی اُمتیں بھی اِسی وجہ سے فرقوں میں بٹ کر اختلافات کا شکار ہوتی رہی ہیں، روایات ہی کی وجہ سے اللہ کی کتاب کو پسِ پشت ڈالتی رہی ہیں اور جعلی روایات کی متابعت کرتی رہی ہیں۔ اگر آپ بائبل کا مطالعہ کریں تو آسانی سے سمجھ جائیں گے کہ یہ صرف کہانیوں اور روایات کا مجموعہ ہے، خرافات سے بھری ہوئی کہانیاں، ایسی کہانیاں کہ کوئی بھی عقلمند انسان اُنہیں نہیں مان سکتا۔ انسان حیران رہ جاتا ہے کہ مسیحی اُسے کس طرح ایک مقدس الٰہی کتاب سمجھ کر مانتے ہیں۔ یقین کریں اِس کتاب کا اسّی فیصد حصہ مسخرہ روایات اور بے بنیاد کہانیوں پر مشتمل ہے اور انجیل اور الٰہی کتاب کی رہنمائیاں اِس میں کمتر ہی ملتی ہیں۔

☆ جن قابلِ احترام شخصیتوں نے احادیث کو جمع کیا، اُن کی چھان پھٹک کی، صحیح، ضعیف اور موضوع کو علیٰحدہ علیٰحدہ کیا اور وہ بھی چند احادیث کے حوالے سے نہیں بلکہ اُن میں سے ہر ایک نے لاکھوں احادیث جمع کرکے اُن میں سے چند ہزار کا انتخاب کرکے اُنہیں لکھ دیا، اُنہوں نے اُمت پر ایک عظیم احسان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اِس کا عظیم اجر اور جنت میں اعلیٰ ترین درجے عطا فرمائے مگر یہ یقین نہیں رکھنا چاہیے کہ پیغمبر علیہ السلام کی احادیث مکمل طور پر نقل ہو سکی ہیں۔ یہ بات صرف وہ شخص کر سکتا ہے جو غلو اور افراط کی پرواہ نہ کرتا ہو۔ مدینہ منورہ کی دس سالہ زندگی کے دوران پیغمبر علیہ السلام نے جمعہ اور عیدین کی کتنی نمازیں پڑھائی ہیں جن میں سے ہر ایک میں آپؐ نے دو دو خطبے ارشاد فرمائے ہیں؟ کتنی جنگوں کی منصوبہ بندی اور رہنمائی فرمائی ہے؟ کتنے اہم معاملات اور مسائل پر وقتاً فوقتاً خطبے ارشاد فرمائے ہیں؟ صرف اُن خطبات اور رہنمائیوں سے کئی ضخیم کتابیں بن سکتی تھیں۔ مگر صرف اِس وجہ سے کہ اپنی زندگی میں آپؐ نے احادیث لکھنے کی اجازت مرحمت نہیں فرمائی، آج ہمیں میسر نہیں ہیں۔ تاہم پیغمبر علیہ السلام کے تمام خطبوں کا نچوڑ اور خلاصہ یہی قرآن ہے۔ آپؐ کی گفتگو اور بیان اِسی قرآن کی شرح اور تفصیل تھی۔ اِس قرآن کی روشنی میں ہم نہایت آسانی کے ساتھ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کونسی بات آپؐ نے فرمائی اور کونسی نہیں فرمائی ہو گی۔ اِس سے پہلے کہ کسی روایت کی اسناد پر غور کریں ہمیں یہ غور کر لینا چاہیے کہ کیا یہ روایت قرآن سے مطابقت بھی رکھتی ہے یا نہیں؛ اسناد پر بحث اُس کے بعد کریں گے۔

☆ افغانوں کی ایک پوری نسل جہاد کی آغوش میں پرورش پا گئی۔ ایک ایسی نسل جو اپنی پیدائش کے دن سے لے کر جوانی تک مسلسل قرآن، جہاد، شہادت اور ہجرت کی مانند شعار اور مباحث سنتی رہی۔ اپنے ہی خون میں لت پت زخمیوں کو اُٹھاتی رہی، مہاجرین کے قافلوں کا نظارہ کرتی رہی، بستیوں اور قصبوں پر خوفناک بمباری ہوتی دیکھتی رہی اور دن رات توپوں اور ٹینکوں کے کان پھاڑنے والے دھماکے سنتی رہی۔ گھر میں اپنے والد اور بڑے بھائیوں، مسجد

میں امام اور خطیب اور مورچے میں مجاہدین کو قرآن کی آیات کی تلاوت کرتے اور دوسروں کو صبر اور جہاد کی وصیت کرتے دیکھتی رہی۔ اِس طرح اُن کے دلوں میں قرآن کی شدید محبت گھر کر چکی ہے۔ یہ نسل چاہتی ہے کہ قرآن کو سمجھ جائے، اِس لئے نہیں کہ کسی مسجد کی امامت ہاتھ آجائے اور کوئی وسیلۂ معاش پیدا ہو بلکہ اِس لئے کہ قرآن اُس کا رہنما بن جائے اور قرآن کو سمجھنے کی اُس کی پیاس بجھ جائے۔ آج کا افغانی جوان الحمدللہ مسلمان ہے، اسلام کے ساتھ محبت رکھتا ہے، اسلام کا دل و جان سے دفاع کرنے کا متمنی ہے اور اُس کے لئے ہر قربانی دینے پر تیار ہے۔ مگر عربی نہیں جانتا، صرف و نحو سے نابلد ہے، دینی مدرسے کا پڑھا ہوا نہیں ہے اور اپنا مخصوص طرزِ استدلال، زبان اور سلیقۂ بیان و اظہار رکھتا ہے۔ ایسے میں وہ مخصوص اشکالات سے دوچار ہے اور چاہتا ہے کہ ہر آیت کا مطلب پشتو زبان میں سن لے؛ وہ پیاسا ہے اور جاننا چاہتا ہے کہ قرآن اُن چیزوں کے بارے میں کیا کہتا ہے جو اُس نے اپنی فزکس اور کیمیا کی کتابوں میں پڑھی ہیں۔ وہ سکول میں اور کالج کے ساتھیوں سے سنتا رہتا ہے کہ قرآن کی بہت ساری باتیں سائنس سے متعارض ہیں۔ مسجد میں خطیب اور امام سے بھی سنتا رہا ہے کہ عصرِ حاضر کے علوم قابلِ اعتناء نہیں ہیں اِس لئے کہ یہ قرآن کے خلاف ہیں۔ لہٰذا وہ یہ بھی جاننا چاہتا ہے کہ قرآن اور سائنس کے درمیان کیا اور کونسا تعارض موجود ہے یا پھر موجود ہے بھی کہ نہیں؟ وہ انسان، حیوان، نباتات، زمین و آسمان اور پہاڑوں کی بابت اپنی درسی کتابوں میں بہت کچھ پڑھتا رہا ہے۔ اب وہ جاننا چاہتا ہے کہ قرآن اِن چیزوں کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ وہ کبھی کمیونسٹوں کے ساتھ بحث میں الجھ جاتا ہے اور کبھی مغرب زدہ لاابالی عناصر کے ساتھ۔ وہ دونوں مل کر اُس کا مقابلہ کر رہے ہیں؛ فکری اور اخلاقی لحاظ سے یہ دونوں ویسے بھی ہم آہنگ ہیں اور روسی اتحاد کے زوال کے بعد تو کمیونسٹ ڈیموکریٹ اب پوری طرح مغربی ڈیموکریٹ بن گئے ہیں۔ اِن کمیونسٹ ڈیموکریٹوں نے مغربیوں و مغرب زدہ لیڈروں کے پرچم تلے اکٹھے ہو کر اسلام کے خلاف ایک مشترکہ محاذ کھول دیا ہے اور اسلام پر یلغار کرنے میں پیش پیش ہیں۔ مغربی استعماری طاقتیں اسلام کے خلاف اپنی سیاسی اور فکری یلغار میں جس قدر کمیونسٹوں اور نیشنلسٹوں پر انحصار کر رہی ہیں اور جتنا اُنہیں مفیدِ مطلب سمجھتی ہیں اتنی وہ مغرب زدہ ڈیموکریٹوں سے پُراُمید نہیں ہیں۔ مغربی تہذیب کے جوہڑ میں گرے ہوئے لاابالی عناصر نہ کوئی خاص فکر و نظر رکھتے ہیں، نہ ذمہ داریاں اٹھانے کے قابل ہیں اور نہ ہی کسی ہدف کے لئے قربانی دینے اور زحمت برداشت کرنے پر تیار ہیں۔ وہ صرف اخلاقی فساد پھیلانے میں بڑے کارآمد ہیں۔ اسلام کے خلاف فکری محاذ پر صرف اُن لوگوں سے کام لیا جا سکتا ہے جو کم از کم کسی ایک نظریئے کی نسبت التزام کا دعویٰ تو رکھتے ہیں اور جو اسلام پر اعتراض کرنے کے لئے اپنا کوئی فکری مواد رکھتے ہیں۔ یہ ہے وہ جنگ جس کا سامنا مسلمان نوجوان اِس وقت کر رہے ہیں اور اپنی درسی کتب میں مخالفین کے اعتراضات کا کوئی جواب نہیں پاتے۔ اِن برسرِپیکار نوجوانوں کے لئے قرآن کا ایک ایسا ترجمہ اور شرح درکار ہے جو اُن کی پیاس بجھا دے۔ اگر میں اِس پر قادر ہو سکا کہ اِس جوان نسل کی پیاس کسی حد تک رفع کر لوں تو یہ میرے اوپر اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم احسان ہوگا۔

☆ وہ مسلمان ادیب، خطیب، واعظ، داعی اور مدرس بہت بڑے اشتباہ اور جفا کا مرتکب ہو رہا ہے جس کے خطبے، وعظ اور دروس قرآن کے علاوہ کسی اور چشمے سے سیراب ہو رہے ہیں اور جو قرآن کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ مسلمان اُمت ہر چیز سے پہلے قرآن کی طرف رجوع کرنے کی ایک سریع اور تند و تیز پیش رفت کی ضرورت رکھتی ہے۔ آئیں کہ اِس ضرورت کو پورا کرنے کی تحریک میں اپنا حصہ ڈالیں اور کسی بھی دوسری چیز کی طرف صرف اُس وقت توجہ دیں جب ہم قرآن سے فارغ ہو چکے ہوں۔ مدرسہ میں سب سے پہلا اور اساسی مضمون قرآن ہونا چاہیے اور باقی تمام ثانوی، ضمنی اور ممد مضامین۔ ایسا نہ ہونے پائے کہ قرآن آخری مضمون ہو اور صرف، نحو، فقہ، حدیث، منطق، اور فلسفہ پہلی اور اساسی حیثیت اختیار کر جائیں۔ ایسا کبھی نہ ہونے پائے کہ قرآن کو فقط صرف و نحو کے مسائل کے استخراج کے لئے پڑھا جائے۔ اِسی طرح ہماری نشریات کا بھی غالب حصہ اور اساسی مقصد قرآن کی روشنی میں تحقیق، چھان بین اور تبصرے ہونا چاہیے، نہ کہ کسی گوشے میں چند آیات کا تبرک کے لئے تحت اللفظی ترجمہ؛

تاکہ دکھادیا جائے کہ یہ ایک اسلامی مملکت کا نشریہ ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ ہمارے خطیبوں اور واعظوں کے تقاریر، قصوں اور ضعیف روایات کی جگہ مستند قرآنی آیات سے مزین ہوں اور لوگوں کو روزمرہ پیش آمدہ قضیوں اور معاملات کے بارے میں قرآن سے مستند رہنمائیاں دی جائیں۔ یہ وہی کام ہے جو پیغمبر علیہ السلام اور آپؐ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کرتے تھے اور اِسی طرح اُنہوں نے اسلام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچادیا تھا۔

☆ قرآن ہر لحاظ سے مکمل ہے، ہر کلام سے زیادہ موئثر، اِس کا استدلال ہر استدلال سے زیادہ قوی اور اِس کا وعظ دوسرے ہر وعظ سے زیادہ دلکش ہے۔ قرآن سے اپنے مخاطب کو جس قدر قانع کیا جاسکتا ہے اُتنا کسی دوسرے ذریعے سے ممکن نہیں۔

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعهو ارنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابه

حکمتیار